مسدس حالی اور اقبال

امجد علی شاکر

Abstract:

Altaf Hussain Hali has influenced Urdu literature in different aspects. A good poets and prose writers have been influenced by Hali's literary works. Allama Iqbal, a great poet of Urdu and Persian, was also inspired by Hali, especialy by his masterpiece ***Musadass-e-Mado Jazre Islam***. We can trace Hali's inspiration in the poetry of Iqbal overall and especially in his famous poems "Shikwa" and "Jawabe Shikwa". This article deals with this inspiration and it is traced in Iqbal's poetry and especially in his poems reffered above.

علی گڑھ تحریک نے اردو ادب کو سخن کے نئے اسالیب بھی دیے اور موضوعات سخن بھی عطا کیے۔ اس تحریک کے ایک بڑے تخلیقی ذہن مولانا الطاف حسین حالی تھے۔ انھوں نے اردو ادب کو کئی حوالوں سے متاثر کیا۔ ان کی طویل نظم **مسدس مدو جزر اسلام** ایسا تخلیقی کارنامہ ہے جو ایک مدت تک موضوعِ نقد رہی۔ اس پر اعتراضات کی بوچھاڑ ہوتی رہی اور اس کی تردید میں بہت سی نظمیں تخلیق کی گئیں۔ صالحہ عابد حسین لکھتی ہیں:

> جب یہ مسدس، جو اردو شاعری میں انقلاب کا علم بردار تھا، ۱۸۷۹ء میں پہلی مرتبہ قوم کے ہاتھوں میں آیا تو سارے دیس میں ایک ہلچل مچ گئی۔ ایک طبقہ ایسا تھا جسے مسدس میں سرتاسر عیب ہی عیب نظر آئے۔ لعن طعن، اعتراضوں اور نکتہ چینیوں کا طوفان برپا ہوا۔ متعصب اور تنگ دل، تنگ نظر حضرات نے وہ شور مچایا کہ معلوم ہوتا تھا اس سیلاب میں مسدس کی ہستی خس وخاشاک کی طرح بہہ جائے گی۔ (۱)

مولانا حالی کی مسدس کے جواب میں بعض تردیدی مسدس لکھی گئیں۔ مبارزالدین رفعت نے اپنے

مضمون، مسدس مدوجزر اسلام کے جواب میں تین مختلف نظموں کا تذکرہ کیا ہے۔بعض اور مسدس بھی اس کے ردّ میں لکھی گئیں، ان میں سے ایک مرزا حیرت دہلوی کی مسدس حیرت بھی ہے، مگر ان سب کا ذکر صرف اس لیے کیا جاتا ہے کہ یہ حالی کی مسدس کے ردّ میں لکھی گئیں، ورنہ ان کی وجہ شہرت اور تو کوئی ہے نہیں۔بعض ایسی نظمیں بھی لکھی گئیں جنھوں نے حالی کی تردید نہیں تائید کی۔ ان سے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ ان نظموں کے شاعروں نے مولانا حالی سے تخلیقی تحریک حاصل کی۔ ان لوگوں میں علامہ اقبال بھی شامل ہیں۔

علامہ اقبال مولانا حالی کے بعد ایک ایسی توانا آواز تھے کہ انھیں حالی کے استاد مرزا غالب کی صف میں شامل ہونے کا ہر طرح سے حق حاصل ہے۔ علامہ اقبال مولانا حالی کی نیکی اور شرافت کے باعث ان سے عقیدت و محبت رکھتے تھے، اس کی جھلک ان کی نظم شبلی و حالی میں دیکھی جاسکتی ہے:

خاموش ہو گئے چمنستان کے راز دار — سرمایہء گداز تھی جن کی نوائے درد
شبلی کو رو رہے تھے ابھی اہلِ گلستان — حالی بھی ہو گیا سوئے فردوس رہ نورد

اکنوں کرا دماغ کہ پرسدزِ باغباں
بلبل چہ گفت و گل چہ شنیدو صبا چہ کرد (۳)

علامہ اقبال نے حالی کی مسدس سے فکری تحریک حاصل کی اور حالی کی مسدس کے موضوع اور مضامین کو اپنی بصیرت کے اضافے کے ساتھ پیش کیا۔ حالی کی مسدس کے اثرات اقبال کے ہاں بعض جگہ واضح نظر آتے ہیں۔ مثلاً علامہ کی نظم ’’خطاب بہ جوانانِ اسلام‘‘ کے دو اشعار دیکھیے۔

کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا

حکومت کا تو کیا رونا کہ وہ اک عارضی شے تھی
نہیں دنیا کے آئینِ مسلّم سے کوئی چارا (۴)

ان دونوں اشعار کا مضمون حالی کے ہاں بھی موجود ہے اور بہت خوبی اور خوبصورتی کے ساتھ موجود ہے۔ مولانا حالی کے دو بند ملاحظہ ہوں:

وہ ملت کہ گردوں پہ جس کا قدم تھا — ہر اک کھونٹ میں جس کا برپا علم تھا
وہ فرقہ جو آفاق میں محترم تھا — وہ امت لقب جس کا خیر الامم تھا

نشاں اس کا باقی ہے صرف اس قدر یاں
کہ گنتے ہیں اپنے کو ہم بھی مسلماں (۵)

حکومت نے تم سے کیا گر کنارا — تو اس میں نہ تھا کچھ تمھارا اجارا
زمانے کی گردش سے ہے کس کو چارا — کبھی یاں سکندر کبھی یاں ہے دارا

نہیں بادشاہی کچھ آخر خدائی
جو ہے آج اپنی تو کل ہے پرائی (۶)

مولانا حالی **مسدس نے مدو جزر اسلام** میں جس موضوع پر فکر سخن کیا ہے، یہی اقبال کا موضوع سخن بھی تھا۔ اقبال نے اس موضوع میں نئی جہات کا اضافہ کیا اور شعر و ادب میں ایک نیا جہانِ معنی دریافت کیا۔ علامہ کے ہاں اسلام کا عروج بھی نظر آتا ہے اور مسلمانوں کا زوال بھی اور نئی زندگی کا پیام بھی۔ مولانا حالی اردو شاعری کی تاریخ میں وہ پہلے زندہ شاعر ہیں جنھوں نے تاریخ سے شعری تحریک حاصل کی اور تاریخ کو شعر بنانے کی کوشش کی۔ اسی لیے ہم انھیں اردو میں قومی شاعری کا بنیاد گزار مانتے ہیں۔ علامہ اقبال نے بھی مسلم تہذیب اور مسلم تاریخ کو موضوعِ شعر بنایا اور حالی سے آغاز ہونے والا قومی شاعری کا سفر اقبال کے ہاں بلندیوں تک جا پہنچا۔

علامہ اقبال کی نظموں ''شکوہ'' اور ''جواب شکوہ'' کا موضوع وہی **مسدس مدو جزر اسلام** کا ہے۔ اقبال نے بھی حالی کی طرح مسدس کی ہیئت ہی استعمال کی ہے۔ ویسے بھی طویل نظموں کے لیے علامہ اقبال کے ہاں مسمط کی ہی کوئی صورت نظر آتی ہے۔ علامہ نے ''شکوہ'' اور ''جواب شکوہ'' لکھتے ہوئے مسلمانوں کے عروج و زوال کو موضوع سخن بنایا تھا، مگر اس میں جدت یہ کی کہ اسے ڈراما بنا دیا اور بندہ و مولا کو رو برو لا کر ان کا مکالمہ پیش کر دیا۔ ''شکوہ'' میں بندۂ مسلم کی شکایات ہیں اور ''جواب شکوہ'' میں جواباً رب تعالیٰ کی طرف سے جواب دیا گیا ہے۔ اس طرح مسلمانوں کا عروج و زوال جو حالی کے ہاں ایک قصے کی شکل میں تھا، اقبال کے ہاں ایک ڈرامے کی شکل اختیار کر گیا ہے۔

علامہ نے ''شکوہ'' و ''جواب شکوہ'' نظموں میں موضوع سخن کے حوالے سے کیا شعری تحریک مولانا حالی سے حاصل کی تھی ۔۔۔۔ یہ وہ بنیادی نکتہ ہے جس پر اس مضمون کی بنیاد استوار ہے۔ حالی کی مسدس اور اقبال کی مذکورہ نظموں کو پڑھتے ہوئے اکثر مقامات پر فکری ہم آہنگی کا احساس تو ہوتا ہی ہے بعض مقامات پر تمثالوں، علامات اور مضمون کی حد تک ایک خوبصورت ہم خیالی کا خیال آتا ہے۔

مسدس حالی میں ۲۹۴+۱۶۲= ۴۵۶ بند ہیں جب کہ ''شکوہ'' اور ''جواب شکوہ'' میں ۳۷+۳۶= ۷۳ بند ہیں۔ مسدس کے آخر میں عرض حال بجناب سرور کائنات علیہ افضل الصلوت و اکمل التحیات کے عنوان سے ۱۶۳اشعار کی ایک نظم ہے جس کا پہلا شعر نعت کی تاریخ میں ایک زندہ شعر ہے:

اے خاصۂ خاصانِ رسل وقت دعا ہے
امت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے (۷)

''جواب شکوہ'' کا آخری بند بھی جن دو مصرعوں پر مکمل ہو رہا ہے وہ دو مصرعے بھی تاریخ نعت میں پایندہ رہیں گے:

کی محمد سے وفا تو نے تم ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں (۸)

''شکوہ'' اور ''جواب شکوہ'' میں اقبال کے فکر ونظر کے مختلف حوالے سامنے آتے ہیں۔ وہ مسلمانوں کے عہد پارینہ کو یاد کرتے ہیں اور مسلمانوں کی عظمت رفتہ سے اپنا تعلق قائم کرتے ہیں ،مگر عجیب بات یہ ہے کہ وہ برصغیر کے مسلم ماضی کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ وہ اسلام کے نام پر تلوار چلانے کو بہت اہمیت دیتے ہیں،مگر تمدنی کمالات کو نظر انداز کرتے نظر آتے ہیں۔ وہ ہند اسلامی تہذیب اور اس کے تہذیبی کمالات کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ حالی بھی ہند اسلامی تہذیب کو نظر انداز ہی نہیں کرتے، ایک حد تک مسترد کرتے دکھائی دیتے ہیں:

وہ دین حجازی کا بے باک بیڑا نشاں جس کا اقصائے عالم میں پہنچا
مزاحم ہوا کوئی خطرہ نہ جس کا نہ عماں میں ٹھٹکا نہ قلزم میں جھجکا
کیے پے سپر جس نے ساتوں سمندر
وہ ڈوبا دہانے میں گنگا کے آکر (۹)

اقبال کچھ ایسی ہی بات شمع وشاعر میں کہتے نظر آتے ہیں:

سطوتِ توحید قائم جن نمازوں سے ہوئی
وہ نمازیں ہند میں نذرِ برہمن ہوئیں (۱۰)

غرض اقبال کے ہاں حالی کی مسدس کے مضامین ، استعارے، اشارے، تلمیحات، غرض بہت کچھ دکھائی دیتا ہے۔ اب ذرا اقبال کے ہاں چند مضامین دیکھتے ہیں جن میں حالی کی مسدس کی جھلک صاف دکھائی دیتی ہے۔ علامہ اقبال کی نظم شکوہ میں قبل از اسلام عالم انسانی کا منظر یوں پیش کیا گیا ہے۔

ہم سے پہلے تھا عجب تیرے جہاں کا منظر کہیں مسجود تھے پتھر، کہیں معبود شجر
خو گرِ پیکرِ محسوس تھی انساں کی نظر مانتا پھر کوئی ان دیکھے خدا کو کیوں کر
تجھ کو معلوم ہے لیتا تھا کوئی نام ترا؟
قوتِ بازوئے مسلم نے کیا کام تیرا؟ (۱۱)

اب ذرا مولانا حالی کے ہاں قبل از اسلام عالم انسانی کا منظر نامہ بھی دیکھ لیجیے:

کہیں آگ پجتی تھی واں بے محابا کہیں تھا کواکب پرستی کا چرچا
بہت تھے تثلیث پر دل سے شیدا بتوں کا عمل سو بسو جا بجا تھا
کرشموں کے راہب کے تھا صید کوئی
طلسموں میں کاہن کے تھا قید کوئی (۱۲)

علامہ اقبال کے مذکورہ بند سے اگلا بند دیکھیے جس میں وہ عہد رسالت میں عالم انسانی کی تصویر پیش کرتے ہیں:

بس رہے تھے یہیں سلجوق بھی تورانی بھی اہل چیں چین میں ایران میں ساسانی بھی
اس معمورے میں آباد تھے یونانی بھی اسی دنیا میں یہودی بھی تھے نصرانی بھی

پر ترے نام پہ تلوار اٹھائی کس نے
بات جو بگڑی تھی، وہ بات بنائی کس نے (۱۳)

اب مولانا حالی کے بھی ذرا ذیل کے بند ملاحظہ ہوں جس میں عالم انسانی کی ایسی ہی حالت نظر آ رہی ہے:

نہ وہ دور دورہ تھا عبرانیوں کا نہ یہ بخت و اقبال نصرانیوں کا
پراگندہ دفتر تھا یونانیوں کا پریشاں تھا شیرازہ ساسانیوں کا
جہاز اہلِ روما کا تھا ڈگمگاتا
چراغ اہل ایراں کا تھا ٹمٹماتا (۱۴)

اب ذرا اقبال کا ایک اور بند ملاحظہ ہو جس میں مسلمانوں کے تبلیغی اور دعوتی کمالات اور جہاد کو جمع کر کے پیش کیا گیا ہے:

تھے ہمیں ایک تیرے معرکہ آراؤں میں خشکیوں میں کبھی لڑتے کبھی دریاؤں میں
دیں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراوں میں
شان آنکھوں میں نہ جچتی تھی جہانداروں کی
کلمہ پڑھتے تھے ہم چھاؤں میں تلواروں کی (۱۵)

حالی کے ہاں مسلمانوں کے دعوتی کمالات کا تذکرہ جس جوش و جذبے سے موجود ہے، وہاں جہاد کا تذکرہ موجود نہیں کہ حالی جہاد کے مسئلے پر سرسید کی طرح معذرت خواہی کا شکار تھے:

کیا اُمّیوں نے جہاں میں اجالا ہوا جس سے اسلام کا بول بالا
بُتوں کو عرب اور عجم سے نکالا ہر اک ڈوبتی ناؤ کو جا سنبھالا
زمانہ میں پھیلائی توحید مطلق
لگی آنے گھر گھر سے آوازِ حق حق (۱۶)

اقبال اسلام کے لائے ہوئے انقلاب کی تصویر بہت خوبی اور خوبصورتی سے پیش کرتے ہیں۔ اسلام کے آنے سے عالم انسانی میں انقلابی تبدیلیاں ہوئیں۔ عالم انسانی کچھ سے کچھ ہو گیا۔ توحید کا پیغام عام ہو گیا اور کعبے سے بت رخصت ہو گئے:

صفحہ دہر سے باطل کو مٹایا ہم نے نوع انساں کو غلامی سے چھڑایا ہم نے
تیرے کعبے کو جبینوں سے بسایا ہم نے تیرے قرآن کو سینوں سے لگایا ہم نے
پھر بھی ہم سے یہ گلہ ہے کہ وفادار نہیں
ہم وفادار نہیں تو بھی تو دلدار نہیں (۱۷)

حالی کے ہاں بھی کعبے کی آبادکاری کا ذکرِ خیر موجود ہے۔ حالی بھی وہی توحید کی دعوت کے پھیلاؤ کا تذکرہ کرتے ہیں۔ حالی بھی غلبہء اسلام کی تصویر پیش کرتے نظر آتے ہیں۔

ہوا غلغلہ نیکیوں کا بدوں میں — پڑی کھلبلی کفر کی سرحدوں میں
ہوئی آتشِ افسردہ آتشکدوں میں — لگی خاک سی اڑنے سب معبدوں میں
ہوا کعبہ آباد سب گھر اجڑ کر
جمے ایک جا سارے دنگل بچھڑ کر (۱۸)

حالی نے اس بند میں ''پڑی کھلبلی کفر کی سرحدوں میں'' کے مصرعے میں جو بات کہی ہے، وہ اقبال نے صفحہ دہر سے باطل کو مٹایا ہم نے کہہ کر پیش کی ہے اور حالی نے ''ہوا کعبہ سب گھر اجڑ کر کہہ کر جو منظر پیش کیا ہے، وہ اقبال نے تیرے کعبے کو جبینوں سے سجایا ہم نے مصرعے میں پیش کیا ہے۔

علامہ اقبال شکوہ میں اس بات پر شکوہ کناں ہیں کہ غیر مسلموں کے پاس اس دنیا میں ہی حور وقصور ہیں اور مسلمان اس کے وعدہ اور خوشخبری پر جی رہے ہیں۔ اقبال کے ہاں حور کا لفظ صرف قصور کے تابع ہو کر نہیں آیا، یہ ان کا تجربہ اور مشاہدہ بھی تھا۔ اقبال کہتے ہیں:

یہ شکایت نہیں، ہیں ان کے خزانے معمور — نہیں محفل میں جنھیں بات بھی کرنے کا شعور
قہر تو یہ ہے کہ کافر کو ملیں حور و قصور — اور بیچارے مسلماں کو فقط وعدۂ حور
اب وہ الطاف نہیں ہم پہ عنایات نہیں
بات یہ کیا ہے کہ پہلی سی مدارات نہیں (۱۹)

یہی دکھ حالی کی مسدس میں بھی موجود ہے۔ وہ دکھی دل سے اس بات کا ذکر کرتے ہیں کہ بہشت اور ارم خدا جانے زمیں پر ہیں یا آسمان پر۔ان کی بات کے اشارے واضح ہیں کہ مغرب نے بہشت اور ارم، سلسبیل اور کوثر یعنی خواب وخیال میں بسنے والی بستیاں زمین پر بسالی ہیں:

بہشت اور ارم سلسبیل اور کوثر — پہاڑ اور جنگل جزیرے سمندر
اسی طرح کے اور بھی نام اکثر — کتابوں میں پڑھتے رہے ہیں برابر
یہ جب تک نہ دیکھیں کہیں کس یقین پر
کہ یہ آسماں پر ہیں یا ہیں زمیں پر (۲۰)

اقبال کو مسلمانوں کی بد اقبالی کا دکھ ستائے دیتا ہے۔ وہ پریشان ہو کر سوچ رہے ہیں کہ اب دنیا مسلمانوں کی نہیں رہی۔ اب یہ کسی اور کی چاہنے والی دنیا ہے:

بنی اغیار کی اب چاہنے والی دنیا — رہ گئی اپنے لیے ایک خیالی دنیا
ہم تو رخصت ہوئے اوروں نے سنبھالی دنیا — پھر نہ کہنا ہوئی توحید سے خالی دنیا
ہم تو جیتے ہیں کہ دنیا میں ترا نام رہے
کہیں ممکن ہے کہ ساقی نہ رہے جام رہے (۲۱)

حالی یہ بات ان سے پہلے کہہ رہے تھے کہ مسلمانوں کا اب حکومت میں کوئی حصہ نہیں رہا۔ ان کی صاحب قرانی ماضی کا قصہ بن گئی ہے اور وہ آج کسی دوسرے کا حصہ ٹھہری ہے:

اِنھیں کے بزرگ ایک دن حکمراں تھے　　　اِنھیں کے پرستار پیر و جواں تھے
یہی مامنِ عاجز و ناتواں تھے　　　یہی مرجع دیلم و اصفہاں تھے
یہی کرتے تھے ملک کی گلہ بانی
انھیں کے گھروں میں تھی صاحب قرانی (۲۲)

اقبال نے ''جواب شکوہ'' میں مسلمانوں کو خدا کی طرف سے یہ جواب دیا ہے کہ عروج کے اپنے تقاضے ہیں۔ امارت اور دولت کسی اہلیت کی بنا پر ملا کرتے ہیں۔ مسلمانوں کو عروج ملا تھا تو ان کی اہلیت کی وجہ سے ملا تھا۔ اب غیروں کے پاس دولت دنیا ہے تو انھیں بھی اہلیت ہی کی بدولت ملی ہے۔ مسلمانوں کے پاس اگر دولتِ دنیا نہیں، عالم انسانی کی قیادت و سیادت نہیں تو اس کا باعث ان کی نا اہلی ہے۔ خداوند کریم تو قابل لوگوں کو نوازتے ہیں۔ نا اہلوں کے لیے تو سطوت و سلطنت کی گنجائش نہیں۔ یہ حقیقت ہے اگر سلیمان علیہ السلام کے ہاں جسد مردہ جنم لے گا تو ان کی سلطنت کا وارث نہ رہے گا۔ اقبال کہتے ہیں:

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں　　　راہ دکھلائیں کسے رہروِ منزل ہی نہیں
تربیت عام تو ہے جوہرِ قابل ہی نہیں　　　جس سے تعمیر ہو آدم کی، یہ وہ گِل ہی نہیں
کوئی قابل ہو تو ہم شان کئی دیتے ہیں
ڈھونڈنے والوں کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں (۲۳)

یہی باتیں حالی بھی دردِ دل کے ساتھ کر چکے تھے۔ ان کا کہنا تھا:

نوازا بہت بے نواؤں کو تو نے　　　تونگر بنایا گداؤں کو تو نے
دیا دسترس نارساؤں کو تو نے　　　کیا بادشاہ ناخداؤں کو تو نے
سکندر کو شانِ کئی تو نے بخشی
کولمبس کو دنیا نئی تو نے بخشی (۲۴)

ان دونوں بندوں میں آخری دو مصرعے بہت قابل غور ہیں۔ علامہ اقبال کے دونوں مصرعے حالی کے دونوں مصرعوں کی صدائے بازگشت ہیں۔ اقبال کے ہاں ضمیر متکلم ہے، حالی کے ہاں ضمیر مخاطب کا ہے، ورنہ دونوں مقامات پر ایک ہی بات ہے اور شانِ کئی اور دنیا نئی ایسی یکسانیت سے آئے ہیں کہ دونوں کے ہاں قافیے تک ایک ہیں۔ اقبال ''جواب شکوہ'' میں مسلمانوں کی بے جوہری کا شکوہ بھی کرتے ہیں اور پیرزادوں کی استخواں فروشی پر احتجاج بھی کرتے ہیں:

جن کو آتا نہیں کوئی فن تم ہو　　　نہیں جس قوم کو پروائے نشیمن تم ہو
بجلیاں جس میں ہوں آسودہ خرمن تم ہو　　　بیچ کھاتے ہیں جو اسلاف کے مدفن تم ہو

ہونکو نام جو قبروں کی تجارت کر کے
کیا نہ بیچو گے جو مل جائیں صنم پتھر کے (۲۵)

حالی پیرزادوں کی استخواں فروشی کا شکوہ ویسے ہی دردِ دل اور کرب سے کرتے نظر آتے ہیں:

بہت لوگ پیروں کی اولاد بن کر نہیں ذات والا میں کچھ جن کے جوہر
بڑا فخر ہے جن کو لے دے کے اس پر کہ تھے ان کے اسلاف مقبولِ داور
کرشمے ہیں جا جا کے جھوٹے دکھاتے
مریدوں کو ہیں لوٹتے اور کھاتے (۲۶)

اقبال نے ''جوابِ شکوہ'' میں اپنے عہد کے مسلمانوں سے شکوہ کیا ہے کہ وہ ننگ اسلاف ہیں۔ انھیں اپنے بزرگوں کا ورث کہلانے کا کوئی حق نہیں ہے۔ ان کی عظیم تاریخ سے اس عہد کے مسلمانوں کا کیا تعلق ہے؟

صفحہء دہر سے باطل کو مٹایا کس نے نوعِ انساں کو غلامی سے چھڑایا کس نے
میرے کعبے کو جبینوں سے بسایا کس نے میرے قرآن کو سینوں سے لگایا کس نے
تھے تو آبا تمھارے ہی، مگر تم کیا ہو
ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظر فردا ہو (۲۷)

حالی نے مسدس میں اپنے عہد کے مسلمانوں کی اس کمزوری کا تذکرہ کیا تھا، یہی دکھ بیان کیا تھا کہ آج کے مسلمان ننگِ اسلاف اور بے علم وعمل لوگ ہیں:

یہی نوجواں پھرتے آزاد جو ہیں کمینوں کی صحبت میں برباد جو ہیں
شریفوں کی کہاتے اولاد جو ہیں مگر ننگِ آباء واجداد جو ہیں
اگر نقدِ فرصت نہ یوں مفت کھوتے
یہی فخرِ آباواجداد ہوتے (۲۸)

اقبال کو مسلمانوں میں موجود فرقہ بندی اور گروہ بندی پر بہت اعتراض رہا۔ وہ اعتصام بحبل اللہ کی دعوت دیتے تھے اور لاتفرقوا پر بہت زور دیتے تھے۔ انھوں نے جواب شکوہ میں مسلمانوں کی فرقہ بندی اور گروہ بندی کا منظر نامہ یوں پیش کیا ہے:

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک ایک ہی سب کا نبی دین بھی ایمان بھی ایک
حرمِ پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں (۲۹)

حالی بھی مسلمانوں کی باہمی تفرقہ پردازی کا ذکر کرتے ہیں اور اشارۃ یہ بھی بتاتے ہیں کہ مسلمانوں نے لانکفر اہل

القبلہ (ہم اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کرتے) فراموش کر دیا۔ یہ اصول اختلافات اور اختلافات کی بنیاد پر ہونے والی تکفیر کے نتیجے میں طے ہوا تھا:

نہ سنی میں اور جعفری میں ہو الفت نہ نعمانی و شافعی میں ملت
وہابی سے صوفی کی کم ہو نہ نفرت مقلد کرے نا مقلد پہ لعنت
رہے اہل قبلہ میں جنگ ایسی باہم
کہ دینِ خدا پر ہنسے سارا عالم (۳۰)

اقبال کو شکوہ ہے کہ مسلمان معاشرے کی علمی ترقی زوال کا شکار ہے۔ کہاں علم و دانش کے اعلیٰ معیارات اور عمل صالح کی عظیم روایات اور کہاں بے علمی د بے عملی کی خوفناک صورت حال:

واعظِ قوم کی وہ پختہ خیالی نہ رہی برقِ طبعی نہ رہی شعلہ مقالی نہ رہی
رہ گئی رسم اذاں روحِ بلالی نہ رہی فلسفہ رہ گیا تلقینِ غزالی نہ رہی
مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے
یعنی وہ صاحبِ اوصافِ حجازی نہ رہے (۳۱)

حالی کو بھی بزم علم کے اجڑ جانے کا شکوہ ہے۔ حالی نے مسلمان معاشرے کی بے علمی کا دردناک مرثیہ لکھ دیا ہے۔ اسی مرثیے میں ماضی کی بزم علم کی طرف واضح اشارے بھی ہیں:

وہ علم شریعت کے ماہر کدھر ہیں وہ اخبارِ دیں کے مبصر کدھر ہیں
اصولی کدھر ہیں مناظر کدھر ہیں محدث کہاں ہیں مفسر کہاں ہیں
وہ مجلس جو کل سربہ سر تھی چراغاں
چراغ اب کہیں ٹمٹماتا نہیں واں (۳۲)

اقبال اور حالی دونوں کا انداز اس حوالے سے ایک سا ہے کہ دونوں حال کی بدحالی کا حال ایک سے استعاروں میں دکھاتے ہیں۔ علامہ اقبال کو گل، چمن گلشن وغیرہ کے استعارے پسند ہیں۔ یہ استعارے ''جواب شکوہ'' میں بھی موجود ہیں۔ انھوں نے قوم کے لیے گلشن کا استعارہ استعمال کیا ہے اور زندگی کے لیے بھی گلشن کا استعارہ استعمال کیا ہے۔ ''جواب شکوہ'' کا ایک بند دیکھیے:

امتیں گلشنِ ہستی میں ثمر چیدہ بھی ہیں اور محرومِ ثمر بھی ہیں، خزاں دیدہ بھی ہیں
سینکڑوں نخل ہیں کاہیدہ بھی، بالیدہ بھی ہیں سینکڑوں بطنِ چمن میں ابھی پوشیدہ بھی ہیں
نخلِ اسلام نمونہ ہے برومندی کا
پھل ہے یہ سینکڑوں صدیوں کی چمن بندی کا (۳۳)

یہ استعارہ مولانا حالی کے ہاں بھی ملتا ہے۔ انھوں نے گلشنِ ہستی کی منظر کشی یوں کی ہے:

وہ دیکھے گا ہر سو ہزاروں چمن واں بہت تازہ تر صورتِ باغ رضواں
بہت ان سے کمتر پہ سرسبز و خنداں بہت خشک اور بے طراوت مگر ہاں
نہیں لائے گو برگ و بار ان کے پودے
نظر آتے ہیں ہونہار ان کے پودے (۳۴)

علامہ اقبال کی ''شکوہ'' و ''جواب شکوہ'' نظموں میں حالی کی مسدس کے مضامین اور استعارے اکثر جلوہ گر نظر آتے ہیں، مگر اسے سرقہ نہیں کہہ سکتے، اسے توارد کہہ سکتے ہیں، اور یہ موضوع اور مضمون کی مجبوری بھی ہے۔ اقبال اور حالی دونوں کا موضوع تاریخ اسلام اور مسلمانوں کا عروج و زوال ہے۔ دونوں میں یکسانیت دراصل دونوں کے موضوع فکر اور انداز فکر کی یکسانیت کے باعث ہے۔

اقبال کی نظم جواب شکوہ کے آخری پانچ بندوں کا مضمون نعت رسول مقبولﷺ ہے۔ حالی نے مسدس کے آخر میں 24 اشعار کی نظم شامل کی ہے جسے بلاتکلف نعت کہا جا سکتا ہے۔ اقبال کے ان بندوں میں بعض مصرعے ایسے ہیں جو نعت کے شعر کے طور پر پڑھے جاتے ہیں جیسے:

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسمِ محمدﷺ سے اجالا کر دے (۳۵)

خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
نبضِ ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے (۳۶)

چشمِ اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے
رفعتِ شانِ رفعنا لک ذکرک دیکھے (۳۷)

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں (۳۸)

حالی کی مسدس میں ایک بڑا حصہ نعت پر مشتمل ہے۔ نعت کے بند ایسے ہیں کہ وہ ضرب المثل کی طرح معروف اور فوک کی طرح عام ہو گئے ہیں۔ کتنے بند ہیں جو میلاد کی محفلوں میں پڑھے جاتے ہیں۔ مسدس کے یہ بند ایسے ہیں جو اجتماعی حافظے کا حصہ بن گئے ہیں جیسے مسدس کے نعتیہ اشعار۔ ایسے ہی مسدس کے آخر میں شامل کیے گے اشعار بھی نعتیہ مضمون کو خوبصورتی سے پیش کر رہے ہیں جیسے:

اے خاصہء خاصانِ رسل وقت دعا ہے
امت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہے
جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس میں وہ آج غریب الغربا ہے (۳۹)
فریاد ہے اے کشتیِ امت کے نگہبان
بیڑا یہ تباہی کے قریب آن لگا ہے
اے چشمہء رحمت بابی انت واُمّی
دنیا پہ ترا لطف سدا عام رہا ہے (۴۰)

مولانا حالی کی مسدس کو دیکھا جائے یا اقبال کی نظموں کو دونوں کا حاصل نعتیہ اشعار ہی ہیں۔ یہ اشعار دونوں شعرا کی نظموں کو معنویت بھی عطا کر رہے ہیں اور خیر و برکت بھی۔ یہ اشعار دونوں شعرا کے دلوں کی آواز بھی ہیں اور دونوں کا پیغام بھی۔ یہ عہد نو کا اعلامیہ ہیں۔ یہ نعتیہ اشعارِ تعمیر ملت کا بنیادی Document بن سکتے ہیں۔

حالی کی مسدس اور اقبال کی ''شکوہ'' و ''جواب شکوہ'' میں بہت سی باتیں ہیں جو ان کی الگ الگ پہچان بنتی ہیں۔ دونوں نظمیں ایک ہی موضوع پر ہیں۔ ایک سے عہد میں لکھی گئی ہیں۔ بہت سی تمثالیں اور علامتیں ایک سی ہیں یا ایک ہیں۔ اس کے باوجود دونوں مختلف اور منفرد ہیں۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ دونوں کی لفظیات، نظر اور نظریات اپنے ہیں دونوں اسلام اور تاریخ اسلام کو اپنے اپنے زاویۂ نگاہ سے دیکھ رہے ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کی تردید نہیں، تکمیل کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ دونوں شعرا اپنی اپنی ترجیحات کو مدنظر رکھ کر اسلام کے مختلف حوالوں کو دکھا رہے ہیں۔ وجہ دونوں کی اپنی اپنی شخصیات اور اپنا اپنا پس منظر ہے۔ نیز دونوں کا عہد ایک جیسا ہونے کے باوجود ایک سا نہیں ہے۔ حالی کا عہد ۱۸۵۷ء کے زوال سے آگے بڑھ رہا تھا۔ ''شکوہ'' اور ''جواب شکوہ'' کا عہد امپیریلزم کے لیے پہلی جنگ عظیم کی فضا تیار کر رہا تھا۔ حالی کے عہد میں مسلمانوں کے خواب ٹوٹ چکے تھے اور لوگ حقیقت کو کھلی آنکھوں سے دیکھنے کا حوصلہ پیدا کر رہے تھے۔ اقبال کے عہد کے مسلمان پھر سے عزم و حوصلہ جمع کر کے خواب دیکھنے کا ارادہ کر رہے تھے۔

مولانا حالی کی مسدس میں خلافت اندلس کا تذکرہ بڑی عقیدت سے موجود ہے۔ وہ مسلمانوں کی اندلس ہی میں موجود تمدنی خوبیوں اور کمالات کے بے حد معترف ہیں۔ انھیں اس کا غم ہے کہ اندلس سے مسلمانوں کو دیس نکالا ملا تھا۔ اندلس کی عمارات پر وہ بہت خوش ہیں۔ ان عمارات کا یوں فخر کے ساتھ تذکرہ کرتے ہیں:

ہوا اندلس ان سے گلزار یکسر — جہاں ان کے آثار باقی ہیں اکثر
جو چاہے کوئی دیکھ لے آج جا کر — یہ ہے بیت حمرا کی گویا زباں پر

کہ تھے آل عدنان سے میرے بانی
عرب کی ہوں میں اس زمیں پر نشانی (۴۱)

مگر حیرت ہے کہ وہ ہندوستان میں مسلمانوں کی عمارات کا اور تمدنی کمالات کا ذکر گول کر جاتے ہیں۔ شاید اس لیے کہ یہ امپریلزم کو چیلنج کرنے کے مترادف تھا اور مولانا حالی اس قسم کا کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتے تھے۔ علامہ اقبال کے ہاں بھی عالم اسلام ملتا ہے۔ ہندوستان کا تذکرہ کم کم ملتا ہے، بلکہ اکثر منفی انداز میں ملتا ہے۔ جن دنوں ہندی مسلمان آزادی کی تحریکیں چلا رہے تھے اور افغانستان کا امیر انگریزوں سے تعلقات بڑھا رہا تھا، حضرت علامہ امیر افغانستان سے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

اے امیرِ کامگار اے شہر یار نوجوان و مثل پیراں پختہ کار
عزمِ تو پائندہ چوں کسارِ تو حزمِ تو آساں کند دشوارِ تو
ہمت تو چوں خیالِ من بلند
ملت صد پارہ راشیرازہ بند (۴۲)

اور وہ ہندی مسلمان کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

مسلم ہندی شکم را بندۂ
خود فروشے دل زِ دیں برکندۂ (۴۳)

بہر حال حالی ہوں یا اقبال دونوں کے ہاں ہندوستان اور ہندوستان کے مسلمانوں کی مدح کم ہی ملتی ہے۔ اقبال کا اسلوب بیان ایسا ہے جس میں مقامی الفاظ پر فارسی اور عربی لفظوں کا غلبہ موجود ہے۔ ان کا اسلوب ماورائی اور عجمی ہے۔ ان کا ادبی جغرافیہ عجمی ہے اور فکری جغرافیہ عربی ہے۔ ان کے اسلوب کو ہم عجمی اسلامی اسلوب کہہ سکتے ہیں، مگر حالی کا اسلوب خالص برصغیر کا اسلوب ہے۔ اس میں لفظیات ہندوستان کے جغرافیے سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان کا مضمون عالم اسلام سے تعلق رکھتا ہے اور الفاظ ہندوستان کی رائج الوقت زبان کے ہیں۔ ان کی شاعری کو اسلامی ہند کی شاعری کہہ سکتے ہیں اور ان کی اسلوب کو ہند اسلامی تہذیب کا عطا کردہ اسلوب کہا جا سکتا ہے۔

حوالہ جات

(۱) صالحہ عابد حسین، یادگار حالی، بک ٹاک لاہور، ۲۰۰۷ء صفحہ: ۱۵۶

(۲) سید سہارن الدین رفعت مسدس مدو جزر اسلام کے تین جواب مشمولہ، صحیفہ حالی نمبر، صفحہ: ۳۶۶

(۳) اقبال، کلیات اقبال اردو، اقبال اکادمی، ۱۹۹۰ء صفحہ: ۲۵

(۴) اقبال، **کلیات اقبال اردو**، صفحہ:۲۷

(۵) حالی، الطاف حسین، **مسدس حالی**، مکتبہ خلیل لاہور ۲۰۰۵ء صفحہ:۴۰

(۶) ایضاً، ایضاً، صفحہ:۴۹

(۷) ایضاً، ایضاً، صفحہ:۱۲۶

(۸) اقبال، حوالہ مذکور، صفحہ:۲۳۷

(۹) حالی الطاف حسین، حوالہ مذکور، صفحہ:۳۹

(۱۰) اقبال، حوالہ مذکور، صفحہ:۲۱۵

(۱۱) ایضاً، ایضاً، صفحہ:۱۹۱

(۱۲) حالی الطاف حسین، حوالہ مذکور، صفحہ:۱۴

(۱۳) اقبال، حوالہ مذکور، صفحہ:۱۹۱

(۱۴) حالی الطاف حسین، حوالہ مذکور، صفحہ:۲۶

(۱۵) اقبال، حوالہ مذکور، صفحہ:۱۹۱

(۱۶) حالی الطاف حسین، حوالہ مذکور، صفحہ:۲۸

(۱۷) اقبال، حوالہ مذکور، صفحہ:۱۹۳

(۱۸) حالی الطاف حسین، حوالہ مذکور، صفحہ:۲۸

(۱۹) اقبال، حوالہ مذکور، صفحہ:۱۹۴

(۲۰) حالی، حوالہ مذکور، صفحہ:۴۲

(۲۱) اقبال، حوالہ مذکور، صفحہ:۱۹۵

(۲۲) حالی، حوالہ مذکور، صفحہ:۴۸

(۲۳) حالی، حوالہ مذکور، صفحہ:۲۲۸

(۲۴) حالی، حوالہ مذکور، صفحہ:۸۶

(۲۵) اقبال، حوالہ مذکور، صفحہ:۲۲۹

(۲۶) حالی، حوالہ مذکور، صفحہ:۵۷

(۲۷) اقبال، حوالہ مذکور، صفحہ:۲۳۰

(۲۸) حالی، حوالہ مذکور، صفحہ:۱۱۰

(۲۹) اقبال، حوالہ مذکور، صفحہ:۲۳۰

(۳۰) حالی، حوالہ مذکور، صفحہ:۶۴

(۳۱) اقبال، حوالہ مذکور، صفحہ:۲۳۱

(۳۲) حالی، حوالہ مذکور، صفحہ:۵۶

(۳۳) اقبال، حوالہ مذکور، صفحہ:۲۳۴

(۳۴) حالی، حوالہ مذکور، صفحہ:۳۸
(۳۵) اقبال، حوالہ مذکور، صفحہ:۲۳۶
(۳۶) ایضاً، ایضاً، ایضاً
(۳۷) ایضاً، ایضاً، ایضاً
(۳۸) ایضاً، ایضاً، صفحہ:۲۳۹
(۳۹) حالی، حوالہ مذکور، صفحہ:۱۲۶
(۴۰) ایضاً، ایضاً، صفحہ:۱۲۹
(۴۱) ایضاً، ایضاً، صفحہ:۳۱
(۴۲) اقبال، **پیام مشرق**، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور طبع چہاردہم ۱۹۷۵ء صفحہ:۱۵
(۴۳) ایضاً، ایضاً، صفحہ:۱۸